THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ملّاجیون رحمۃ اللہ علیہ کاذوقِ تصوّف:التّفسیرات الاحمدیہ کااختصاصی مطالعہ

Mullā Jīwan's Sufi Dimension: A Specified Study of the Tafsīrāt-i Aḥmadiyya

Zabehullah
M. Phil Scholar, Government College University, Faisalabad, Pakistan.
Email: muhammadzabehullah3@gmail.com
Muhammad Adnan
PhD Research Scholar, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.
Email: madnankhursheedi786@gmail.com
Hafiz Ejaz Ahmad
PhD Research Scholar, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.
Email: roomimalik219@gmail.com

Abstract

Mullā Jīwan whose full name was Aḥmad ibn Abī Saʿīd stood as the luminous sun of the juridical tradition, yet his exegetical vision was never content to rest at the threshold of letters and words alone; it pressed onward, crossing into that subtle realm of meaning which Ṣūfiyyah (the people of the heart) have always called Ilm-i Bāṭin. In his enduring masterwork, the Tafsīrāt- i Aḥmadiyya, one encounters a rare and arresting fusion of juridical precision and Ṣūfiyyah Ṣūfiyyah sensibility:a learning that does not merely adjudicate rulings, a sight that cleaves through the veils of the soul, a presence that draws the verses of the Qurʾān down into the mirror of the heart. He was the Imām of the jurists, and yet his heart kept the intimate company of the Ṣūfiyyah; the rigors of the Law could not estrange him from the fragrance of the Path and it was for this reason that he never conceived of Taṣawwuf as a rival to the outward sciences, but understood it, rather, as their inward completion. This, then, is the distinction that sets him apart among the exegetes of the Indian subcontinent: that he made learning an act of worship, commentary an epiphany, and the very words of revelation a mirror for his innermost being and the face that gazed back from that mirror was neither that of the jurist alone, nor of the sufi alone, but of that perfected man who holds both within himself.

Keywords :*Qurʾān , Mullā Jīwan, Tafsīrāt- i Aḥmadiyya, Ṣūfiyyah, Taṣawwuf*

ہندوستانی علمی روایت میں بعض شخصیات ایسی ہوئی ہیں جو علمِ ظاہر کے شاہ سوار اور باطن میں آتشِ عشق چھپائے ہوئے تھیں۔ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ انہی نادرالوجود میں سے تھے جو بظاہر فقیہِ زمانہ، مسائلِ شریعت کے شارح، نصوصِ فقہ کے نگہبان، مگر سینے میں وہ سرِّ مکنون جو محض درسی علم سے نہیں، کسی اَن دیکھی باطنی دھیمی آنچ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ پوشیدہ آبِ حیات تھا جس نے انہیں استنباطِ احکام کی تنگ گلیوں سے نکال کر عرفانِ حقیقت کی وسیع وادیوں میں لا کھڑا کیا۔ مسائل کا استنباط، دلائل کی ترتیب، اقوال کا موازنہ، فروع کا تجزیہ مگر ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے اس فن کو ایک نئی روح بخشی۔ وہ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تزکیۂ نفس، صفائی قلب اور ایک قلبی حضوری و عروج، ایک لمحۂ وصال جس میں بندہ اور رب کے درمیان کے سارے پردے ایک ایک کر کے اٹھتے و سرکتے چلے جاتے ہیں کا منظرِ روح پرور بھی بیان کرتے ہیں۔

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ اشاری کا اہتمام نہیں کرتے، نہ انہوں نے ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ کی راہ چنی، نہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ میں رنگے مگر ان کے اندر کا صوفی الفاظ میں عیاں ہو ہی جاتا ہے۔ وہ جب کسی حکم کی علت بیان کرتے ہیں تو اس علت میں ایک روحانی حکمت جھلکتی ہے۔ وہ جب نیت کی بحث چھیڑتے ہیں تو ان کا قلم فقہ کی کتاب سے نکل کر قلب کے دفتر میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ جب اخلاصِ عمل کی شرط بیان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ کسی ایسے شخص کے ہیں جس نے اخلاص کو پڑھا نہیں، جیا ہے۔ ایک قلبی سوز، ایک باطنی لرزش، ایک اَن دیکھی کیفیت جو لفظوں میں اتر آئی ہے۔ ان کا ذوقِ تصوف کوئی عارضی رنگ نہ تھا جو یہاں وہاں چھڑک دیا گیا ہو یہ ان کی علمی شخصیت کی ساخت میں رچا ہوا ہے، ان کے طرزِ استدلال کی بُنت میں بُنا ہوا ہے، ان کے نثری اسلوب کی لے میں گھلا ہوا ہے۔ قادریہ کی آتشِ محبت نے انہیں گرمایا، نقشبندیہ کی صحو و استقامت نے انہیں ٹھہراؤ بخشا، چشتیہ نے سینچا اور انہی دریاؤں کے سنگم پر ان کا باطنی وجود پروان چڑھا، یہاں تک کہ فقہ اور طریقت دو الگ سمتیں نہ رہیں، بلکہ ایک ہی شمع کی دو لویں بن گئیں۔

کچھ کتابیں جو پڑھی جاتیں کچھ محسوس کی جاتی ہیں۔ تفسیراتِ احمدیہ انہی کتابوں میں سے ہے۔ ظاہر میں فقہ کا قلعہ، باطن میں عشق کا آستانہ اور ان دونوں کے درمیان ملاجیون کا وہ قلم جو کبھی فقیہ کی طرح چلتا ہے، کبھی عارف کی طرح رواں ہے، کبھی صوفی کی طرح خاموش ہو جاتا ہے۔ ایسی خاموشی جو گفتگو ہے جس کا سامع کانِ دل سے ہی ممکن ہے۔ فقہ کا ہر جملہ طریقت کی طرف ایک کھڑکی کھولتا ہے، طریقت کا ہر اشارہ فقہ کی طرف ایک در وا کرتا ہے اور ان دونوں کے مابین ملاجیون کھڑے ہیں، دستِ راست میں شریعت کا چراغ، دستِ چپ میں عشق کی لو، اور ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ جو صرف اُسے نصیب ہوتی ہے جس نے دونوں کا بھید پالیا ہو۔

وجہ انتخابِ موضوع:

اس تفسیر میں صرف علم نہیں، عشق بھی ہے، صرف دلیل نہیں، دل بھی ہے، صرف فقہ نہیں، وہ فقرِ روحانی بھی ہے جو ہر حرف کو نور بنا دیتا ہے، ہر سطر کو سجدہ بنا دیتا ہے، ہر صفحے کو یار کی درگاہ بنا دیتا ہے جہاں جو بھی جاتا ہے، خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ مگر اس تفسیر کو فقط آیات الاحکام کی تفسیر ہی سمجھا گیا۔ اس تفسیر کو کبھی صوفی ذوق کے ساتھ نہیں پڑھا گیا۔ نہ ہی ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کے صوفی ذوق کو اس تفسیر کے حوالہ سے زیر بحث لایا گیا ہے اسی پہلو کو نمایاں کرنا اس موضوع کے انتخاب کی وجہ ہے۔

منہج و ترتیب:

اس مضمون میں درج ذیل چھے (6) عناوین کے تحت مذکورہ بالا موضوع کا جائزہ لیا جائے گا:

* مختصر تعارفِ مصنف

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

* کتبِ تصوف
* تفسیرِ اشاری مع امثلہ
* احادیث کی صوفی تشریح مع امثلہ
* تذکارِ صوفیہؒ

ملا احمد جیون کا تعارف:

ملا جیون برصغیر کے جلیل القدر علماء و مفسرین میں سے ایک تھے۔ آپ نے علمی، تفسیری، فقہی اور حدیث کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ملا احمد جیون کا شمار پاک وہند کے ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے علم وفضل اور تحقیق و تحریر سے ہندوستان کے عوام اور بادشاہوں کی اصلاح کے لیے ان گنت مساعی جمیلہ انجام دیں۔ آپ نے بطور فقیہ، مدرس، خطیب اور مصنف ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں اور دنیائے اسلام میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ ملا احمد جیون کا نسب نامہ یہ ہے، شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق بن خاصہ الصدیق ہے اور خلیفہ اول صدیق اکبر تک پہنچتا ہے۔ ملا احمد جیون اپنی کتاب مناقبِ اولیاء جس میں ان کی ستر سالہ زندگی کے احوال و واقعات درج ہیں، اس میں خود اپنا نام جیون لکھتے ہیں۔ حالانکہ آپ کا اصل نام احمد ہے۔[1] اور آپ کا عرف جیون ہے۔ جبکہ آپ ملا جیون کے نام سے مشہور ہوئے۔[2] ملا احمد جیون 25 شعبان المعظم 1047ھ بمطابق 2 جنوری 1637ء بروز پیر قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔[3]

آپ کا خاندان علم و تقوی کے لحاظ سے مضافات لکھنؤ میں نہایت مقبول اور مرجع عام وخاص تھا۔ آپ کے والد اکثر روزہ سے رہتے تھے اور ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔[4] جب آپ کی عمر چار سال ہوگئی تو حسب قاعدہ شرفاء باپ نے قرآن مجید حفظ کرانا شروع کیا۔ سات سال کی عمر میں ہی آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

> سات سال کی عمر میں والد کی صحبت میں رہ کر قرآن مجید کا حافظ ہوگیا۔ اس کم عمری میں باوجود کہ قواعد تجی اور اعراب سے واقفیت نہ تھی اللہ کے فضل سے پورا قرآن مجید الفاظ و معانی کے ساتھ یاد ہوگیا تھا، یہی حال دوسرے علوم وفنون کی کتابوں کا بھی تھا۔ گویا ان کے مطالعہ میں تقدیم و تاخیر کی رعایت

[1] مولانا، میاں محمد سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، لاہور: جمعیۃ پبلیکیشنز: 2010ء، ج1 ص409۔

[2] عمری، محمد، تذکرہ مفسرین ہند، ج1 ص117۔

[3] مصباحی، محمد طفیل احمد، ملا جیون امیٹھوی: حیات و خدمات، بیر گاچھی: مولانا محمد غلام جیلانی رضوی مصباحی، 2017ء ص32۔

[4] ملا احمد جیون، مناقبِ اولیاء، اعظم گڑھ: دار المصنفین، س ن ص28۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ملحوظ نہ تھی، پھر بھی بفضلہ ہر کتاب کا مفہوم سمجھ لیتا تھا۔[5]

اس زمانے کی مروجہ درسی کتب کی تعلیم شیخ محمد صادق ستر کھی سے حاصل کی۔ بعض کتابیں شیخ لطف اللہ کوڑوی سے پڑھیں۔ بائیس سال کی عمر میں علوم درسیہ سے فراغت حاصل کر لی۔ تحصیل علم کے بعد اپنے وطن امیٹھی آکر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ کی علمی قابلیت اور تقوی کے سبب آپ کے گرد طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ ابتدائی طور پر آپ اپنے والد صاحب کے پاس ہی زیر تعلیم رہے۔ اس کے بعد دیگر علوم کے لئے شیخ صادقؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیخ جمال اولیاچشتی کوڑوی سے بھی کسبِ فیض کیا۔ شیخ لطف اللہ کوڑوی سے بہت سی کتب پڑھیں۔ جو ایک بلند پایہ کے عالم تھے، فقہ، اصولِ فقہ اور علوم عربیہ میں خصوصی ملکہ کے حامل تھے۔ ان کے بارے میں سبحۃ المرجان کے حاشیہ میں ہے:

> شیخ لطف اللہ الکوروی احد فحول العلماءفی الهند،کانت له ید بیضاء فی سائرالفنون ۔[6]
>
> یعنی شیخ لطف اللہ کوڑوی ہندوستان کے فحول (عظیم المرتبت) علماء میں سے ہیں۔ تمام علوم وفنون میں آپ کو مہارت تامہ اور کامل دسترس حاصل تھی

آپ کی طالب علمی کا زمانہ بیان کرتے ہوئے اشفاق علی لکھتے ہیں:

> ملا احمد جیون کی معلمی محدود معلمی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک تاریخ ساز معلمی تھی۔ ان کی معلمی عوام سے شروع ہو کر بادشاہ وقت اورنگزیب عالمگیر کی ذہنی ساخت پر اثر انداز ہوئی۔ وہ ایک قصبہ کی فضا سے نکل کر دہلی کی ثقافتی مرکزیت میں اپنی اہمیت کو ظاہر کرتی رہی اور پھر دکن کو بھی متاثر کیا۔ اسی طرح وہ (ملا جیون کی معلمی) ہندوستان گیر ہو کر غیر ممالک پر بھی اثر انداز ہوئی۔[7]

آپ سے بے شمار طالبان حق نے کسبِ فیض حاصل کیا۔ جن میں بلند پایہ علماء ملا عبدالباسط امیٹھوی، شیخ احمد بن ابی منصور، مولانا فصیح الدین پھلواری، اورنگزیب عالمگیر اور مفتی تابع محمد بھی شامل ہیں۔[8]

ملاجیون کو برصغیر پاک وہند کے بڑے محدثین، مفسرین، اصولیین اور متکلمین میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی تصانیف آج بھی مدارسِ دینیہ کے نصاب کا

[5] ایضاً ص32۔

[6] بلگرامی، علامہ سید آزاد، سبحۃالمرجان، علی گڑھ: معهد الدراسات الاسلامیہ، س ن، ص 204۔

[7] اشفاق علی، ملاجیون کے معاصر علماء لکھنؤ، نظامی پریس، 1982ص 49۔

[8] عمری، عارف اعظمی، محمد، تذکرہ مفسرین ہند، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، طبع دوم، 2006ء، ج1ص 11۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

حصہ ہیں۔ مشہور محدث و مؤرخ علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

هو من أعلام علماء الهند، وكان متفنناً في العلوم العقلية والنقلية۔[9]

آپ ہندوستان کے جلیل القدر علماء میں سے تھے اور عقلی و نقلی دونوں علوم میں ماہر متفنن تھے۔

ملاجیون کی تصانیف نے نہ صرف برصغیر بلکہ عرب و عجم کے علمی حلقوں میں گہرا اثر چھوڑا۔ ان کی تفسیر اور اصولِ فقہ کی شروحات آج بھی مدارس کے نصاب کا لازمی حصہ ہیں۔ ملاجیون نے 1130 ہجری / 1719 عیسوی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار لکھنو (بھارت) میں واقع ہے، جو اہلِ علم کی زیارت گاہ ہے۔

تصانیف مشمولہ مسائل و معارفِ تصوف:

ملا احمد جیون کو درس و تدریس کی طرح آپ کو تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا۔ ملا احمد جیون بیان کرتے ہیں:

تیرہ برس کی عمر میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس عمر میں " آداب احمدی " علم سلوک میں لکھی، اور خطبات جمعہ و عیدین بھی فصیح و بلیغ عربی میں لکھے۔ اپنے دادا شیخ عبد اللہ اور ان کے بڑے بھائی شیخ علم اللہ کے مسودات کو مرتب کرنا شروع کیا۔ سولہ سال کی عمر میں جب حسامی میرے زیر درس تھی، تفسیر احمدی لکھنا شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کام سے فارغ ہو گیا۔ غرض بائیس برس کی عمر میں علوم معقولات و منقولات کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔[10]

ملا احمد جیون کو بچپن سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا اور تیرہ سال کی چھوٹی سی عمر میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ تفسیر کی بلند پایہ کتاب تفسیر ات الاحمدیہ کی تصنیف کا کام زمانہ طالب علمی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ 21 سال کی عمر میں علم تفسیر کی اس قدر جامع اور بلند پایہ تصنیف سے فارغ ہو جانا یہ آپ کی تفسیری مہارت، علمی وجاہت اور حیرت انگیز ذہانت کی دلیل ہے۔ جس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی اس وقت نسخہ آدابِ احمدی کے نام سے ایک کتاب لکھی جو سیر و سلوک کے مضامین پر مشتمل تھی۔ غرض آپ کی تصنیفی سرگرمی اور تالیفی کام کا آغاز بچپن ہی سے ہو چکا تھا۔ اور تادم حیات یہ سلسلہ خیر و برکت جاری رہا۔ آپ کی تالیفات مشمولہ مسائل و معارف تصوف درج ذیل ہیں۔

1۔ آدابِ احمدی: یہ ملاجیون کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو تیرہ سال کی نوعمری میں 1061ھ میں لکھی گئی۔ مگر اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے۔ اور نہ ہی تذکرہ نگاروں نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کس زبان میں تھی اور اس کے اہم مباحث کیا تھے۔ اس کا ذکر تفسیر میں فرماتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا کہ اس کتاب میں علم سلوک کے اصول و اسرار سے بحث کی گئی ہے۔

2۔ مثنوی فارسی: یہ مثنوی انھوں نے اپنے دہلی اور اجمیر کے زمانہ قیام میں لکھی۔ ملاجیون کے بیان کے مطابق یہ مثنوی پچیس ہزار اشعار پر مشتمل چھ

---

[9] لکھنوی ،سید عبد الحی الحسنی ، نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، دار ابن حزم ، بيروت:1999ء ،ج10ص36-

[10] ملا احمد جیون، مناقبِ اؤلیاء ص 3۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

دفتروں میں تھی، جس میں مولانا روم کا تتبع کیا گیا تھا۔

3۔ دیوان اشعار: یہ فارسی میں دیوان حافظ کے نہج پر پانچ ہزار اشعار کا ایک مجموعہ تھا۔

4۔ قصیدہ ونعت: عربی میں قصیدہ بُردہ کی طرز پر 207 اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا اور اسکی عربی شرح بھی انہوں نے لکھی تھی۔[11]

تفسیر وشرحِ اشاری مع امثلہ:

اس سے قبل کہ ملاجیون کی کتاب سے اس کو پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تفسیر اشاری کی تعریف کی جائے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے:

وأما ما يذهب إليه بعض المحققين منْ أنَّ النصوص على ظواهرها ، ومع ذلك ففيها إشارات خفية إلى دقائق تنكشف على أرباب السلوك يمكن التطبيق بينها وبين الظواهر المُرادَةِ فهو من كمال الإيمان، ومحض العرفان ۔[12]

وہ مسلک جس کی طرف بعض اہلِ تحقیق مائل ہیں، کہ نصوص اپنے ظاہری معانی ہی پر برقرار رہتی ہیں، تاہم ان کے اندر باریک اور مخفی اشارات بھی پائے جاتے ہیں جو اربابِ سلوک پر منکشف ہوتے ہیں، اور جن کو ظاہری مراد کے ساتھ تطبیق دینا ممکن ہوتا ہے۔ یہ ایمان کے کمال اور خالص عرفان کی دلیل ہے

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تفسیرِ اشاری سے مراد ہے کہ:

هو تاويل القرآن بغير ظاہره لاشارة خفية تظهر لأرباب السلوک والتصوف ويمكن الجمع بينها وبين الظاہر المراد ايضاً۔[13]

قرآن کی ایسی تاویل کرنا، ظاہر کے علاوہ، جو اس میں ایک مخفی اشارہ ہوتا ہے جو اہلِ سلوک و تصوف پر ظاہر ہوتا ہے، اور اس اشارے اور مرادِ ظاہری کے درمیان جمع و تطبیق بھی ممکن ہوتی ہے۔

اسی طرح تفسیرِ اشاری کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے:

وقال الشيخ تاج الدين بن عطاء اللّٰہ فی کتابه لطائف الْمنن اعلم أن تفسير هذه الطائفة لكلام اللّٰہ وكلام رسوله بالمعَانی العربية ليس إِحالة للظاهرعن ظَاهره ولكن ظَاهرالْآية مفهوم منه ما جلبت الْآية له ودلت عليه فی عرْف

[11] دلچسپ امر یہ کہ منظوم صوفی ادب میں رومی وحافظ اور بوصیری تینوں کا طرز فکر آپ نے اپنایا اس سے بھی آپ کے ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

[12]۔ تفتازانی،سعد الدين مسعود بن عمر،شرح العقائد النسفية مع حاشية الباجوری،ابرہیم بن محمد الباجوری،محقق، انس محمد عدنان الشرفاوی، دار التقوی :دمشق، شام،2020ء، ص 757۔

[13]۔ زرقانی، محمد عبد العظيم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، مطبع عیسی البابی الحلبی ، الطبعۃ الثالثۃ، تاریخ النشر ن د، ج 2، ص 78۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.3, No.4, 2025

اللِّسَان وثم أفْهَام باطنةٌ تفهم عنْد الْآيةِوَالْحديث لمن فتح اللَّه قلبه وقد جاء في الحديث لكل آية ظهر وبطن فلا يصدنك عن تلقي هذه المعاني۔[14]

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان کیا ہے معلوم رہے کہ جو صوفیہؒ نے کلام اللہ اور قولِ رسول ﷺ کی جو تفسیر غریب معانی کے ساتھ کی ہے وہ اس طرح تفسیر ہر گز نہیں جس کے ساتھ ظاہرِ قرآن وحدیث کو اس کے ظاہری مراد سے پھیر دیا ہو لیکن بات یہ ہے کہ آیت کے ظاہر سے وہی امر مفہوم ہوتا ہے جس کیلئے وہ آیت لائی گئی ہے اور جس پر اس آیت نے زبان کے عرف میں دلالت کی ہے اور اس کے بعد آیت اور حدیث کے باطن کی سمجھ انہی لوگوں کے فہم میں آتی ہے جن کا قلب اللہ نے کھول دیا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ہر ایک آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔

اسی حوالہ سے حضرت علی بن حسام الدین متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بھی اہم ہے آپ فرماتے کہ یہ حکمتیں دراصل معارفِ عرفانیہ کا ایک گنجینہ ہیں، جن میں معانیِ ارشادیہ اور اشاراتِ قرآنیہ نہایت لطیف انداز میں مندرج ہیں۔ ہر ایک حکمت کو کسی نہ کسی آیتِ قرآنی، یا اس کے کسی جزء سے تائید حاصل ہے، اور حکمت و آیت کے مابین ایسی مناسبت پائی جاتی ہے جو صاحبِ فہم ودرایت کے لیے مخفی نہیں رہتی۔ تاہم اس مناسبت کا ادراک بدرجۂ کمال اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو آیاتِ قرآنیہ کا حافظ ہو، یا کم از کم ان کے تفسیری معانی سے واقفیت اور علوم اشارات میں کسی قدر نصیب رکھتا ہو۔[15] اس مفہوم کی مزید تفہیم اور تبین کے لئے اصل ومتدلات کی طرف اشارہ لازم ہے تاکہ شرعی اصل بھی واضح ہو سکے۔

متدلاتِ قرآن: ظاہر و باطن کی تقسیم کی اصل و متدل قرآن و احادیث کی متعدد نصوص ہیں۔ جن سے اس تقسیم کو مستنبط و ثابت کیا گیا ہے۔ تین مقامات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

* لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ -[16] ظاہری وباطنی بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ۔
* قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ[17]- تم فرماؤ، میرے رب نے تو ظاہری باطنی بے حیائیاں اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام قرار دیا ہے۔

[14]۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین ،الاتقان فی علوم القرآن، محقق :فواز احمد زمرلی، دار الکتاب العربی:بیروت 2011ء،ص 874۔
[15]۔ ہندی، علی بن حسام الدین متقی، الحکم العرفانیۃ فی المعانی الارشادیۃ و الاشارات القرآنیۃ، محقق، نزار حمادی، دار الامام ابن عرفۃ: تونس، 2020ء، ص 15۔
[16]۔ سورہ الأنعام:151۔
[17]۔ سورہ الأعراف:33۔

* وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ-[18] اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔

نعم و فواحشِ ظاہر و باطن یا مہلکات و منجیاتِ ظاہری و باطنی، نام کوئی بھی دیا جائے مقصود دونوں سے ایک ہے۔ انہی نعمِ باطنی کا اظہار اربابِ حقائق کے قلوب پر حقائقِ قرآنیہ کی صورت میں ہوتا ہے جو تفسیرِ اشاری کے نام سے معنون ہے۔ یہ الگ سے یا قرآن کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ قرآن ہی کا ایک پہلو ہے۔ یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اگر بفرض اشاری نکات ظاہر قرآن کے خلاف ہوں تو وہ قابل رد ہیں جس پر ماہرین نے لکھا ہے۔ کتب علوم القرآن کو ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔ بالخصوص امام عبد العظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بائیس صفحات پر مشتمل بحث کی ہے۔ جس میں شروط قبولیت، چار اہم کتبِ تفاسیر کے تعارف کے علاوہ دیگر جملہ جہات پر تفصیلات درج ہیں۔[19] اسی طرح امام سیوطی نے بھی بعض اشارات کئے ہیں[20]۔

اسی آیت[21] کی تفسیر پر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ "الفوائد البارزة والكامنة في النعم الظاهرة والباطنة" کے نام سے ہے۔ تفصیلات کے لئے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس رسالہ میں ایک مقام پر آپ فرماتے:

> فظهر لي قلت الظاهرة أحكام الشريعة، والباطنة أسرار الحقيقة ، ففي الحديث لكل آية ظهر وبطنص ، قال ابن النقيب في تفسيره ظهرها ما ظهر من معانيها لأهل العلم بالظاهر، وبطنها ما تضمنته من الأسرار التي أطلع الله عليها أرباب الحقائق۔[22]
>
> جو مجھ پر بات واضح ہوئی ہے وہ یہ کہ ظاہر سے مراد احکامِ شریعت ہیں، اور باطن سے مراد اسرارِ حقیقت ہیں۔ چنان چہ حدیث میں وارد ہے کہ ہر آیت کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ ابن النقیب نے اپنی تفسیر میں فرمایا: اس (آیت) کا ظاہر وہ ہے جو اس کے معانی میں سے اہلِ علمِ ظاہر پر منکشف ہوتا ہے، اور اس کا باطن وہ ہے جو ان اسرار پر مشتمل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اربابِ حقائق کو آگاہ فرمایا ہے۔

یہ اس لئے کہ یہ اسرار و رموز کتابوں سے حاصل نہیں ہوتے اس کے لئے قلب صافی چاہیے۔

علامہ اقبال فرماتے کہ:

---

[18]۔ سورہ لقمان:20۔

[19]۔ زرقانی، محمد عبد العظيم، مناہل العرفان فی علوم القرآن ، ج 2، ص 68-96۔

[20]۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین ،الاتقان فی علوم القرآن، ص 874۔

[21]۔ سورہ لقمان:20۔

[22]۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر ،الفوائد البارزة والكامنة في النعم الظاهرة والباطنة، مشمولہ،عشر رسائل فی التفسیر و علوم القرآن،محقق، عبد الحکیم الانیس ، دائرة الشؤون الاسلامیة، دبئی، الامارات العربیعة المتحدة، الطبعة الاولی، 2010ء، ص 76۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جب تک تیرے ضمیر پر نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف۔[23]

گویا نزولِ کتاب کے بغیر حصول نکاتِ عرفانی ممکن نہیں۔

اس بحث سے چند نکات اخذ ہوتے:

* ظاہر و باطن کی تقسیم قرآنی آیات سے مستفاد و مستنبط ہے۔
* تفسیرِ اشاری عند الصوفیّہ تو ہے ہی عند العلماء، محدثین، فقہاء بھی مشروط انداز میں قابل قبول ہے۔
* تفسیرِ اشاری کے لئے قلبِ مصفی، روحِ متجلی اور باطن کا مزکی ہونے کے ساتھ ظاہر قرآن کے مخالف نہ ہونا عند الصوفیّہ بھی لازم ہے۔
* جس طرح قرآن سے نکات اخذ ہوسکتے ہیں ایسے ہی احادیث کے بھی باطنی معارف ہیں، جن کا استنباط خلاف شرع نہیں۔ تاہم وہ نکات بھی تفسیر اشاری کی ہی طرح مشروط ہوں گے۔

اس کے بعد اب ان نکات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے جن کو ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ تاہم ان نکات کا استقصاء و احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ صرف چند ہی آیات و احادیث سے مستنبط چنیدہ نکات کے ذکر پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔

مثال اول: اللہ تعالی کا ارشاد: فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ [24] اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آیات کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے کہ: یہ اگرچہ مفرد ہے لیکن جمع کا عطفِ بیان واقع ہوا کیونکہ اس میں کثرت کے معنٰی پائے جاتے ہیں کیونکہ مقامِ ابراہیم میں کئی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالٰی کی قدرت کی نشانی ہے۔ بقیہ انبیاء کے نشانات ختم ہوگئے لیکن ابراہیم علیہ السلام کی اس نشانی کا باقی رہنا ایک نشانی ہے۔ بقیہ نشانیاں آپ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

وتلك الآيات الباقيات لعلها هي إمالة القلوب إليها، ودموع العين من رائيها، وحضور أرواح الأولياء في كل ليلة الجمع حواليها۔[25]

دلوں کا بیت اللہ کی طرف میلان و شوق، بیت اللہ کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسو آجانا، ہر جمعرات کو اس کے گرد ارواح اولیاء کا اکٹھا ہونا۔

ان میں خاص طور پر اولیاء اللہ کا ایک مخصوص دن میں جمع ہونا قابل غور ہے۔ جو کہ ان کے صوفی ذوق کی عکاسی کرتا اور احوال کشفیہ کا تذکرہ بھی ہے۔

---

[23]۔ اقبال، علامہ محمد، بالِ جبریل، مشمولہ کلیاتِ اقبال، اقبال اکیڈمی پاکستان، اشاعت دوم 1994ء، ص 402۔

[24]۔ سورہ آل عمران: 97۔

[25]۔ ملا جیون، احمد بن ابی سعید، التفسیرات الاحمدیۃ فی بیان الآیات الشرعیۃ، محقق، عبداللہ محمود محمد عمر، دار الکتب العلمیۃ: بیروت، لبنان، 2010ء، ص 191۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مثال دوم: وَمَنْ يُهَاجِرُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدُ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا۔ [26]کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال کا ذکر فرماتے ہیں پھر لکھتے کہ القصہ جب ہجرت اللہ تعالی کی خاطر ہو تو ہجرت کے فضائل بے شمار ہیں۔ نبی علیہ السلام نے درج ذیل حدیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو جس کی ہجرت اللہ تعالی اور اس کے رسول کی خاطر ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لئے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اس کی خاطر ہے۔ اس پر اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے کہ:

> واستحسن المشايخون ذلك وما من أحد يقتدى به أو يرشد الخلق إلى الله إلا وكان بعد الهجرة۔[27]
>
> مشائخ نے اسے مستحسن قرار دیا ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو لوگوں کا مقتدا و پیشوا بنا اس نے اللہ کی مخلوق کو اللہ تعالی کی راہ دکھائی مگر ہجرت کے بعد ہی اس سے ایسا ہو سکا ہے۔

اس میں دو باتیں توجہ طلب ہیں۔ پہلی وہ یہ کہ ہجرت کا ایک ایسا مفہوم بیان فرمایا جو سالکین اور طالبانِ حق کے لئے ہے۔ دوسرے الفاظ میں ملاجیون یہ فرمارہے کہ مرشد وہی ہوتا ہے جو مرشد ہو۔ دوسرا یہ کہ اس ہجرت سے مراد کیا ہے اس کی طرف اشارہ کر دینا لازم ہے تاکہ ملاجیون کی بات کی توضیح ہو جائے۔ امام جلال الدین سیوطی ہجرت کا معنی و مقصد اور منتہیٰ ان الفاظ میں لکھتے:

> فقوله : فهجرته إلى الله ورسوله هو معنى الارتحال من الأكوان إلى المكون وهو المطلوب من العبد وهو مصرح به غاية التصريح . وقوله "فهجرته إلى ما هاجر إليه" هو البقاء مع الأكوان. والتنقل فيها وهو الذي نهى عنه، وهو مشار به غير مصرح فليكن المريد عالي الهمة والنية حتى لا يكون له التفات إلى غير ولا كون ألبتة ۔[28]
>
> پس ارشادِ نبوی ﷺ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ درحقیقت اکوان سے مُکَوِّن کی جانب کوچ کرنے ہی کا بیان ہے، اور یہی بندۂ حق سے مطلوب و مقصود ہے بلکہ اس حقیقت کی طرف بغیر صراحت و وضاحت کے اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ دراصل اکوان ہی کے ساتھ باقی رہنے اور انہی کے دائرے میں گردش کرنے کا نام ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔ چنان چہ اس طرف اشارہ تو فرمایا گیا ہے مگر تصریح نہیں کی گئی۔ پس سالک راہِ حق کے لیے لازم ہے کہ اپنی

---

[26]۔ سورہ النساء:100۔

[27]۔ ملا جیون، احمد بن ابی سعید، التفسیرات الاحمدیۃ ص 284۔

[28]۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر،منتهى الآمال فى شرح حديث انما الاعمال ،محقق،ابی عبد الرحمن محمد عطیۃ،دار ابن حزم:بیروت،لبنان،الطبعۃ الاولی ،1998ء، ص 154۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ہمّت کو بلند اور نیت کو پاکیزہ و عالی رکھے، یہاں تک کہ اس کے دل میں کسی غیر کی طرف، اور کسی کون و مکان کی جانب، سرِ مو التفات بھی باقی نہ رہے۔

یہ معنی ہجرت، قیامت تک کے لئے ہے۔ اس میں کوئی نسخ نہیں۔ یہ تو اس مقام کی بات ہے کہ جب وہ یاد ہو تو پھر کسی غیر کی یاد کا کیا کام؟ اگر کلمہ طیبہ کے معنی پر غور کیا جائے تو وہ بھی علائقِ دنیا کو لا الہ کی تلوار سے کاٹنا اور الا اللہ کو اپنا مقصد و مدعا بنانا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی:

رگوں میں بھر کے فروغِ جمال الا اللہ　　　نظر میں شعلگی لا الہ پیدا کر۔[29]

ہجرت یہی شعلگی لا الہ ہی تو ہے۔[30] اس حدیث "جس کو محدثین کرام نے اصلِ دین اور اصلِ اسلام قرار دیا ہے" کی شرح میں اس مفہوم کا اشارہ فرمانا ہجرت کے معنی کی وضاحت و سالک کے لئے راہ نمائی کے لئے ایک جامع اشارہ ہے۔ ان دو امثلہ سے ملاجیون کا منہجِ تفسیر و حدیث میں صوفی ذوق بلکل واضح طور پر ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

تذکارِ صوفیہّ:

صوفیہ کے تذکار متعدد مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے تین ملاحظہ فرمائیں:

1۔ یحیٰ بن سعید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اے میرے رب میں نے تجھ سے کتنی دعائیں کیں اور تو نے میری دعا قبول نہیں کی تو اللہ تعالی نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تیری آواز سنتا رہوں۔[31]

3۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ فرماتے ہیں ایک دن ہم پر حال کا غلبہ ہوا میں حسین بن علاج منصور کی قبر پر چلا گیا۔ مراقبہ کے بعد میں نے علاج کی روح علیین میں اور فرعون کی روح سجّین میں دیکھی میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ اس میں کیا راز ہے دونوں نے ربوبیت کا دعوی کیا تھا ایک کو علیین میں اور دوسرے کو سجّین میں رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ منصور نے کہا تھا انا الحق اور فرعون نے کہا تھا انا ربکم الاعلی دونوں برابر کیوں نہیں؟ غیب سے ندا آئی کہ فرعون پر تکبر کا غلبہ تھا اور نفس امارہ اس پر مسلط تھا اس سے رب گم ہو گیا گویا کہ رب ہے ہی نہیں اسے اپنے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا اس کے برعکس منصور پر مظاہر الٰہی غالب تھے اور ان کا نفس امارہ ان سے گم ہو گیا تھا انہیں غلبہ شوق میں اللہ تعالی کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا لہٰذا دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایمان فرعون کی قبولیت کا دعویٰ کرنے والے اگر دلائل کو سہارا بنائیں تو دلائل کے ما لھا اور ما علیھا سے آپ مطلع ہو چکے ہیں اور اگر کشف کو دلیل بنائیں تو ان کا کشف ایک اور عارف کے کشف کے معارض ہے۔[32]

---

[29]۔ مراد آبادی، جگر، کلیاتِ جگر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس: دہلی، انڈیا، 2005ء، ص 41۔

[30]۔ ابن قیم جوزیہ، محمد بن ابی بکر، طریق الهجرتين و باب السعادتين ، محقق محمد اجمل اصلاحی، دار عالم الفوائد للنشر و التوزيع1429ھ، ص 5-14- کو ہجرت کی اس تعبیر و تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

[31] ۔ ملا جیون، احمد بن ابی سعید، التفسيرات الاحمدية ص 85-86۔

[32]۔ ملا جیون، احمد بن ابی سعید، التفسيرات الاحمدية ص 232۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

3۔ محمد بن یٰسین نے مجھے بتایا کہ دوران طواف ایک شیخ نے مجھ سے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں میں نے کہا" خراسان سے اس نے پوچھا" تمہارے اور بیت اللہ کے درمیان کتنی مسافت ہے؟" میں نے کہا" دو تین ماہ کی، کہنے لگا" تم تو بیت اللہ کے پڑوسی ہو۔ میں نے پوچھا آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟" کہنے لگا" پانچ برس کی مسافت ہے۔ جب میں روانہ ہوا تو نوجوان تھا لیکن اب ادھیڑ عمر کا ہو گیا ہوں۔" میں نے کہا اللہ کی قسم اطاعت جمیلہ اور محبت صادقہ اس کا نام ہے۔ اس پر مسکرایا اور یہ اشعار پڑھے:

زرمن هويت و ان شطت بك الدار   وحال من دونه حجب و استار

لا يمنعنك بعد عن زيارته   ان المحب لمن يهواه زوار

(تیرا گھر خواہ کتنا دور ہو اور تیرے اور محبوب کے درمیان خواہ کتنے ہی پردے حائل ہوں تب بھی اپنے محبوب کی زیارت کر طول مسافت تجھے اس کی زیارت سے نہ روکے کیونکہ عاشق صادق اپنے محبوب کی بار بار زیارت کرتا ہے)۔[33]

ان تذکار میں دیدار خداوند متعال کا ذکر، کیفیاتِ سکر کا بیان، شطحیاتِ صوفیہ کا تذکرہ اور سوز و ساز عشق کے احوال کا بیان صوفیہ کے تذکار ہی کا حصہ ہے۔ ساتھ میں مصنف کے صوفی ذوق کا عکاس بھی ہے۔

نتیجۃ البحث

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علمی دنیا میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ آپ کی تصانیف محققین و مدرسین کی آنکھوں کا سرمہ ہیں۔ اگرچہ آپ کی شہرت علوم القرآن، علم تفسیر اور اصول فقہ کے حوالے سے ہے۔ اس کے باوجود آپ کا ذوق علمی تصوف و سلوک میں بھی تھا۔ مگر یہ گوشہ عام طور پر نظروں سے اوجھل رہا ہے خاص طور پر آپ کی تفسیر کو صرف احکامی آیات کی تفسیر ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس مضمون میں آپ کی ایک کتاب پر ارتکاز کرتے ہوئے صرف اشارات و مسائل تصوف کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جابجا مسائل و اصطلاحات تصوف کا استنباط و استخراج، مفسر کا تصوف سے وابستہ ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اس کتاب میں کتب تصوف کے حوالہ جات دینا اور صوفیہ کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے ان کی تائید قرآن و حدیث سے کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ کے مطالعہ اور زندگی میں علم حقیقت و معرفت سے اعتناء تھا۔ جہاں یہ آپ کی شخصیت کو تصوف کے حوالے سے متعارف کرواتا ہے وہیں تصوف کے اسرار و رموز، اصطلاحات و مسائل اور دقائق تصوف کو سمجھنے میں راہنمائی کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کا صوفی ہونا اور صوفیہ کے احوال و مقامات کا عارف و عامل ہونا بے غبار ہو جاتا ہے۔

---

[33] ملا جیون، احمد بن ابی سعید، التفسیرات الاحمدیۃ ص 512۔